بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(بقلم محترمی مولنا نورالدین صاحب اجمیری مدظلہ)

مسلمان بننے کی پہلی اور بنیادی شرط یہی کلمہ طیبہ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کلمہ پاک کو اچھی طرح سمجھ کر دل میں بٹھالے۔ پھر اسی روشنی میں اپنی پوری زندگی گذار دے۔ جن بزرگوں نے اس کلمہ پاک کی حقیقت کو سمجھا اُنکی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل بن گئی۔ اگر اس کے معنیٰ پر پوری طرح غور کیا جائے تو یہ پوری شریعت اسلامی کا ایک بہترین خلاصہ نظر آئیگا۔ گویا کہ یہ ایک متن متین ہے۔ اور شریعت و طریقت ایک مفصّل شرح ہے۔

کلمہ پاک کو سمجھنے کی پہلی شرط

کلمہ پاک کے معنیٰ پر غور کرنے سے پہلے انسان اپنی حقیقت پر نظر ڈالے کہ وہ کیا ہے۔ دیکھیگا کہ وہ ایک سراپا احتیاج ہی احتیاج ہے۔ دیکھنے کے لئے آنکھ کا محتاج۔ سننے کیلئے کان کا محتاج۔ سونگھنے کے لئے ناک کا۔ مزہ چکھنے اور بولنے کیلئے زبان کا۔ چلنے پھرنے کیلئے پاؤں کا۔ پکڑنے کیلئے ہاتھ کا۔ اسی طرح سمجھنے کیلئے عقل و شعور کا۔ اپنے جسم کو باقی رکھنے کیلئے غذا کا۔ جسم کو گرمی سردی سے بچانیکے لئے لباس کا۔ کسی محفوظ مکان یا کم ازکم جھونپڑی کا۔ غرض جتنا غور کریگا اپنے آپ کو محتاج ہی پائیگا۔ پھر غور کرے کہ کیا یہ سب چیزیں جن کا وہ محتاج ہے اس کی ایسی ملک ہیں کہ کوئی ان کو چھین نہیں سکتا۔ تو اس کو نظر آئیگا کہ نہ تو یہ میری حاصل کردہ ہیں، نہ ماں باپ نے دی ہیں اور نہ میں انکو باقی رکھنے پر قادر ہوں۔

ایک زہریلی گیس آنکھ کی روشنی ختم کر دیتی ہے۔ ایک زوردار بم کا دھماکہ قوتِ سامعہ کو فنا کر سکتا ہے۔ فالج کا حملہ ہاتھ، پاؤں، زبان کو معطل کر سکتا ہے۔ ایک زہریلی گیس بیہوش کر کے عقل و شعور زائل کر دیتی ہے۔

یہ سب کسی بڑی نگرانی سے کام دے رہی ہیں۔ ورنہ انسان کس کس آفت سے ان کو بچا سکتا ہے۔ کان میں چیونٹی، ناک میں پسو جیسی حقیر چیز سوتے میں گھس کر اس کی ساری شیخی کرکری کر دیتے ہیں۔ یہ ہے انسان کی حقیقت۔

پھر یہ جو اکڑتا اور فخر کرتا ہے کس گھمنڈ پر۔ یہ ذرا اپنے جسم کی کھال کے نیچے دیکھے تو کہ اندر کیا کیا بھرا ہوا ہے۔ کھال کی چادر کے نیچے اسکو وہ چیزیں نظر آئینگی۔ جن سے یہ خود گھن کرتا ہے۔ وہ اگر اسکے کپڑے یا جسم کو لگ جائیں تو صابون سے دھوتا صاف اور پاک کرتا ہے۔

اس پُرزور جسم میں خون۔ پیپ۔ گندہ پانی۔ رینٹھ۔ بلغم۔ پیشاب پاخانہ۔ گوشت، چربی، ہڈی یہی تو بھرا ہوا ہے۔

جب ایک سعادتمند انسان اپنی حقیقت پر غور کرتا ہے۔ تو اوّل تو وہ بہت محتاج نظر آتا ہے۔ پھر حقیر و ذلیل نظر آتا ہے۔ اور وہ اپنی حقیقت کو پہچان کر سخت فکرمند ہوتا ہے۔ کہ گندگی سے اپنے آپ کو پاک کیونکر کرے۔ اپنی ذلت کو عزت سے کیونکر بدلے۔ اپنی تمام حاجتوں کو کیونکر پورا کرے۔

بس اس کو تلاش ہوگی ایسی ذات کی جو اسکی تمام حاجتیں پوری کرے۔ جو اس کی تمام قوتوں کو باقی رکھے۔ جو اس کی ہر آن محافظ

ہو۔ جو اس کو عزت بخشے۔ جو اس کو ہر معاملہ میں سیدھی راہ دکھائے۔ جو اسکی مربّی ہو۔ اور جو بڑی قدرت، حکمت، رحمت و رأفت والی ذات ہو۔ نہ کبھی اُس کے خزانوں میں کمی آسکتی ہو۔ نہ اس کی مشیّت میں کسی کو دخل ہو۔ اس کا ہر کام حکمت سے لبریز ہو۔ وہ سراپا استغنا ہو احتیاج کے وہاں پر جلتے ہوں۔ وہ سمیع، بصیر، خبیر، علیم، قدیر، حکیم، رؤف و رحیم اور صاحب جلال و جمال ہو۔ خود ہر عیب اور نقصان سے پاک ہو اور ناقص کو کامل اور ناپاک کو پاک، ذلیل و حقیر کو عزت و بزرگی عطا کرنے والی ذات ہو۔

لَا اِلٰہَ

عربی زبان میں ایسی ہی جامع صفات کمالیہ کو اِلٰہ کہتے ہیں۔ سعادتمند اور عقلمند انسان کو اِلٰہ کی تلاش لازمی ہے۔ وہ اس کائنات کی ایک ایک چیز پر غور کرتا ہے۔ اور ہر ایک پر گہری نظر ڈال کر اس فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ نہ یہ الٰہ ہے، نہ یہ الٰہ ہے۔

آگ کو دیکھا کہ اس میں جمال بھی ہے، جلال بھی ہے۔ یہ ہماری بہت سی حاجتیں پوری کر دیتی ہے۔ کھانا اس پر پکاتے ہیں زیور اس کی مدد سے بناتے ہیں مشینیں اس کی مدد سے بنتی ہیں۔ سینکڑوں حاجتیں اس سے پوری ہوتی ہیں۔ مگر نہ یہ ہماری آنکھ کو روشنی بخشتی ہے بلکہ اس کی تیزی تو آنکھ کو نقصان پہنچا دیتی ہے۔ قوّت سامعہ، قوّت ذائقہ، قوّت لامسہ وغیرہ اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ پھر یہ خود ایک طرح ہماری ہی محتاج ہے۔ یہ الٰہ بنے، احمق ہے جس نے اس کو الٰہ سمجھ کر پوجا۔ کیا یہ بت جو خود ہمارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں یہ ہمارے الٰہ ہیں کس کی عقل ماری گئی ہے جو انکو الٰہ سمجھ کر انکو عزت دے اپنے سر کو ان پتھروں یا سونے چاندی کے بتوں کے سامنے ٹیکے۔

اچھا کیا یہ روشن سورج، یا ستارے یہ الٰہ ہیں یہ تو بیچارے ہم سے بھی زیادہ محتاج نظر آتے ہیں۔ یہ تو کسی بڑے حکیم کے حکم سے ایک ہی طرح کے چکر میں ابتداء سے لگے ہوئے ہیں جس خط پر جس طرح ابتک گھومتے آئے ہیں اُس سے نہ ایک انچ ادھر اُدھر ہو سکتے ہیں نہ اپنی رفتار میں کمی بیشی کر سکتے ہیں حالانکہ ان میں عجیب و غریب خواص و تائیدات ہیں لیکن اس کائنات کی کونسی چیز ہے جس میں عجیب و غریب خواص و اثرات نہیں ہیں۔ اس کا تو ہر ذرّہ ایٹم ہے۔ یہ سب کے سب محتاج ہی محتاج ہیں۔

بہت اچھا ہم اُن بزرگ ہستیوں کو بھی دیکھ لیں جن کے ناموں کے بُت بنائے گئے اور انکی پوجا پاٹ کی گئی۔ کیا وہ آج ہم میں موجود ہیں جن، فرشتے، دیوی۔ دیوتا۔ پیر و پیمبر سب ہی کسی ایک برتر ہستی کی رضا ڈھونڈتے اور اس کی رضا پر چلتے رہے۔ اور اُس غنی حقیقی کے محتاج رہے۔ پھر کیا اِن کو اِلٰہ سمجھا جائے۔ نہیں بلکہ جس برتر و اکبر ذات کو خود انھوں نے اپنا اللہ سمجھا اور اس کی رضا جوئی اور پرستش میں لگے رہے وہی اللہ ہے کائنات کی کوئی چیز اللہ نہیں بن سکتی۔ صرف ایک ہی ذات اللہ بننے کا حق رکھتی ہے۔ جو اس تمام کائنات کی خالق اور مالک ہے۔

اِلَّا اللہ

اور اسی کا نام نامی عربی زبان میں اللہ ہے۔ بیشک وہی ہمارا خالق ہے۔ اُسی نے سر سے پیر تک تمام انمول نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہی ہماری روزی پیدا کرتا ہے۔ اُسی کے حکم پر ساری کائنات گھوم رہی ہے۔

کیا میں جو ایک حقیر، سراپا محتاج ہی محتاج ہوں اُس ذات سے غافل ہو سکتا ہوں یا اُس کی رضا کے بغیر اپنی کوئی حاجت پوری کر سکتا ہوں، یہ ممکن نہیں نہ کوئی مجھے اُسکے حکم کے بغیر نفع پہنچا سکتا ہے نہ ضرر۔ میری ساری بھلائی اُسکے قبضۂ قدرت میں ہے۔

مجھے اُسی کی رضا ڈھونڈنی ہو گی مجھے اسی کی پرستش کرنی ہو گی۔ جس طرح میری روح میرے جسم میں کارفرما ہے۔ کہ آنکھ اگر دیکھتی

ہے۔ کان اگر سنتے ہیں۔ ہاتھ، پاؤں اگر کام دیتے ہیں۔ دل دماغ اگر سوچتے سمجھتے ہیں تو اسی وقت تک کہ میری رُوح اس جسم میں کارفرما ہے۔ ورنہ جونہی وہ رُوح اس جسم سے مُنہ موڑے۔ نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کان سُن سکتے ہیں نہ جسم کا کوئی عضو اور کوئی قوت کام کر سکتی ہے۔

بالکل اسی طرح وہ برتر و بالا ہستی تمام ارواح کائنات میں کارفرما ہے۔ اُس سے بے نیازی، اُس سے سرکشی اپنی رُوح پر آفت لاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی ساری شرافت رُوحِ انسانی سے ہے۔ کیا میں اس جسم خانی کو اچھا رکھنے، پاک و صاف رکھنے طاقتور بنانے وغیرہ کی فکر میں اپنی زندگی ختم کر دوں اور رُوح کو بیمار، گندہ۔ اور کمزور بن جانے دوں۔ نہیں اس کی فکر مقدم ہونی چاہیئے کہ میری شرافت، میری سعادتِ دارین اس پر موقوف ہے۔ مجھے جسم کی طرح اس کی بھی غور و پرداخت کرنی ہوگی جس طرح جسم غذا کا محتاج ہے۔ ورزش و حرکت کا طالب ہے۔ نقصان دینے والی چیزوں سے بچانے کے قابل ہے۔ اسی طرح روح کی بھی کوئی غذا ہوگی۔ ورزش ہوگی۔ پرہیز ہونگے۔ میری عقل کی رسائی محدود ہے۔ اس کی کارفرمائی صرف مشاہدات تک محدود ہے۔ جو چیز نہ دیکھی جا سکے نہ سُنی جا سکے نہ ٹٹولی جا سکے نہ وہم و خیال میں آسکے، نہ عقل اسے اپنے دائرہ عمل میں لا سکے کیونکر معلوم ہو کہ اس کی غذا کیا ہے، اس کی ورزش کیا ہے، اس کا پرہیز کیا ہے اور اُس ذاتِ پاک کی رضا کن باتوں میں ہے۔ کن باتوں سے وہ ناراض ہوتا ہے جس کو میں نے اللہ مانا ہے۔ میری ساری صلاح و فلاح جن باتوں پر موقوف ہے مجھے وہ کس سے معلوم ہوں۔

وُہ وہی بتا سکتا ہے جس نے اپنے مولا کو پالیا ہو۔ جس کو اس کی رضا اور عدمِ رضا کا پتہ چل گیا ہو۔ جو میری رُوح کی غذا ورزش، پرہیز سے واقف ہو۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ

مجھے تاریخ بتاتی ہے۔ مَیں نے اُن بزرگ ہستیوں کو دیکھا اور سُنا ہے جو یہ بہانگ دُہل کہتے ہیں کہ خدا کی رضا معلوم کرنی ہو اسکے عذاب سے بچنا ہو۔ اپنی صلاح و فلاح مطلوب ہو تو جاؤ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے آستانہ پر معلوم کرو اُن سے اپنی بھلائی و بُرائی کا حال۔ وہ خدا کے سچے رسُول ہیں، وہ بڑے مہربان اور سخی داتا ہیں، وہ سارے جہان کیلئے رحمت بن کر آئے تھے۔ وہ جو فرمائیں اس میں ہماری بہبودی ہے۔ اُن کے فرمان کی خلاف ورزی ہماری تباہی ہے۔ اُن کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہماری دُنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ ؎

محمدِ عربی کآبروئے ہر دو سرا است		کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اُو

ہماری روح اُسی کی ہدایت پر عمل کر کے تندرست رہ سکتی اور قوی ہو سکتی ہے۔ وہی رُوح کے پاک کرتے اُس کو مفید غذا بتلانے والے ہیں، وہی رُوح کا پرہیز بھی بتلاتے ہیں، وہی روح کی ورزش کو بھی سمجھاتے ہیں۔ بیشک اگر ہم کو اپنے اللہ کی رضا مطلوب ہے اپنی دُنیا اور آخرت سُدھارنی ہے تو ہم کو اس ذات برگزیدہ صفات سے وابستہ ہو جانا چاہیئے۔ مَیں دل سے مانتا ہوں کہ وہ بلا شبہ اللہ پاک کے سچے رسولؐ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے ہماری ہدایت کیلئے بھیجا اور مقرر فرمایا تھا۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ خدا کے سچے رسُول تھے۔ اور ان کو جو علم حاصل تھا، وہ خدا ہی سے ملا تھا۔ اُنکے جو بلند اور بے نظیر اخلاق تھے وہ سب اللہ پاک ہی کی تعلیم سے تھے۔ کس مدرسہ میں انہوں نے پڑھا، کونسی علمی، اخلاقی سوسائٹی اُنکو ملی۔ کس نے ان کے بلند اخلاق کی تربیت کی۔ ان کا ماحول کیا تھا۔ پھر باینہمہ بے سروسامانی اس ذاتِ گرامی نے جو دُنیا میں کارنامہ کر کے دکھا

دیا ہے کوئی اس کی نظیر۔ کیا ممکن ہے کہ آج کے فیلسوف، آج کے بڑے بڑے حکیم و سائنسدان روحِ انسانی اور جسم انسانی کیلئے وہ اعلیٰ اور پاک تعلیم دے سکیں جو فطرتِ انسانی کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آج کے بڑے بڑے عقلاء روزگار تو یہ بھی نہیں جانتے کہ روح انسانی کا بھی کوئی تقاضا ہے۔ وہ تو سرتا سر اسی جسم خاکی کی فکر میں منہمک ہیں۔ اور با اینہمہ نہ اس جسم کو ایسی غذا دے سکے کہ جس سے یہ مرنے نہ پائے۔ نہ ایسا مکمل پرہیز بتا سکے جس سے یہ کبھی بیمار نہ ہو سکے۔ بھلا یہ بیچارے تو خود قابل رحم ہیں کہ اپنی حقیقت سے غافل، بگٹٹ اسی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں جدھر ان کو جذبات لیجا رہے ہیں۔ ان کو تو یہ بھی نہیں آتا کہ ہم اپنی عقل کو جذبات کے پنجے سے کیونکر آزاد کریں کہ وہ صحیح راہ تلاش کر سکے۔

یہ ہے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حقیقت اور اس کے معنیٰ۔ مسلمان سچے دل سے غور کریں، کہ کیا وہ اس کلمۂ پاک کو پڑھتے ہوئے ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ اور کیا اُن کا دل کی گہرائی میں یہی عقیدہ ہے۔

یاد رہے کہ عقیدہ کا پتہ انسان کے عمل سے چلتا ہے۔ انسان کے دل کی گہرائی میں جو علم، عقیدہ، ایمان ہوتا ہے اُس کا عمل اسی کے مطابق ہوتا ہے، یقین ہے، علم ہے، کہ آگ جلاتی ہے۔ کیا اس علم کے بعد کوئی عقلمند کبھی آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے؟ جانتا ہے کہ زہر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے، کیا کوئی عقلمند اپنی موت بُلانے کے سوا بھی زہر کھاتا ہے، کیوں ایسا کرتا ہے اس لئے کہ اس کے دل کی گہرائی میں یہ علم و یقین ہے کہ آگ جلا دیتی ہے۔ زہر مار ڈالتا ہے۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہماری تمام حرکات ہمارے تمام اعمال، ہمارے علم و یقین پر گھومتے ہیں۔ اگر کلمۂ پاک کے متعلق ہمارے دل کی گہرائی میں وہی یقین و ایمان ہو، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ تو ہم کبھی دیدہ و دانستہ نہ کسی فرمانِ الٰہی کے خلاف کر سکتے ہیں۔ نہ اُس نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے اُن کے قریب ہی جا سکتے ہیں۔

یہ ہے کسوٹی ہمارے ایمان کے جانچ کی۔ ہم کو پہلے اس کسوٹی پر دیکھنا چاہیئے کہ ہم جو کلمہ گو کہلاتے ہیں، کیا اس میں ہم سچے ہیں یا کسی فریب میں مبتلا ہیں۔ اگر ہم اس ایمان میں سچے ہیں تو ہماری زندگی اسی طرح گذرنی چاہیئے جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صحابہ کی تھی۔ نہ ہم خدا کے کسی فرض کو کسی توجیہ و تاویل سے چھوڑ سکتے ہیں۔ نہ خدا اور اُس کے رسولؐ نے جن باتوں سے منع فرما دیا ہے کسی فتوے یا کسی فلسفی یا کسی بڑے سے بڑے شخص کے کہنے پر اُن کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ہم کسی کے کہنے پر آگ میں کود پڑیں، یا زہر کا پیالہ پی جائیں۔ ہاں بھول چوک سے ہم غلطی، خطا کر سکتے ہیں۔ اس کا علاج تو یہ ہے یعنی اپنی غفلت پر پچھتانا، آئندہ کے لئے حتمی طور پر ایسی غفلت سے بچنے کا عزم۔ خدائے کریم تائب کا قصور معاف فرما دیتا ہے یہ اُس کی رحیمی و کریمی کی شان ہے۔ اللہ پاک ہم مسلمانوں کو اس کلمۂ پاک کے سمجھنے اور اس پر دل سے یقین کرنے اور اُس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شائقین ۴ر کے ٹکٹ بھیجکر دفتر رسالہ ندائے حق ۳ اونکار روڈ کرشن نگر لاہور سے عصائے موسوی بجواب حدیث پرویز ملا جناب پرویز صاحب کے رسالے موسومہ اندھے کی لکڑی کا جواب از پروفیسر عباسی صاحب منگوا سکتے ہیں،